HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
AL-HAYAT RESEARCH JOURNAL
AL-HAYAT Research Journal
Jlali Research Institute of Social Science, Lahore
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print): 3006-4759
Volume 2 Issue 2 (Jan-Mar 2025)

الفقہ الاکبر کی روشنی میں اصلاحی پہلو اور عملی تجاویز: معاصر فکری انحرافات کا علاج

Reformative Aspects and Practical Guidance in the Light of al-Fiqh al-Akbar: Solutions to Modern Intellectual Deviations

Dr. Muhammad Kalim Ullah Khan
HOD, the Department of Islamic Thought & Civilization, University of Management & Technology Sialkot, kalim.ullah@skt.umt.edu.pk

Shah Muhamma Asim Tarrab Khan
MPhil Research Scholar, Department of Islamic Thought & Civilization, UMT, Sialkot
asim66925@gmailcom

Abstract

This study examines the reformative significance of al-Fiqh al-Akbar by Imam Abu Hanifa (رحمہ اللہ) in preserving orthodox Sunni belief and addressing contemporary ideological deviations, particularly liberalism, secularism, denial of Hadith, and subjective reinterpretations of the Qur'an prevalent in modern Pakistani society. Imam Abu Hanifa establishes a comprehensive doctrinal framework rooted entirely in Qur'an and Sunnah, beginning with the correct determination of faith (Īmān) and its foundations. The doctrine of Divine Speech (Kalam Allah) is presented with remarkable clarity: the Qur'an is the uncreated, eternal speech of Allah, while its recitation, writing, and memorization are created human acts. This distinction decisively refutes claims that the Qur'an is a historical or sociological product subject to evolving human reason. By affirming the eternality of Divine Speech, Imam Abu Hanifa safeguards revelation from secular relativism and liberal reinterpretation. Furthermore, the Imam's balanced exposition of Divine Knowledge, Decree, and Predestination dismantles both fatalistic misuse of destiny and modern denial of divine will. Allah's knowledge is eternal, complete, and unchanging, yet human responsibility and moral accountability remain intact. This equilibrium forms the ethical foundation of faith, effort, and accountability. In the doctrine of Prophethood, Imam Abu Hanifa articulates the Sunni position that the Prophet Muhammad ﷺ is both human and the most excellent of humanity, uniquely distinguished by revelation. This balance corrects modern distortions that either diminish Prophethood to moral symbolism or challenge the finality and authority of the Sunnah. Thus, al-Fiqh al-Akbar emerges not merely as a theological text but as a timeless reformative manifesto that fortifies Muslim belief against intellectual confusion, ideological extremism, and secular erosion, ensuring the preservation of authentic Islamic faith and societal integrity.

Keywords: Al-Fiqh al-Akbar, Sunni Orthodoxy, Divine Speech (Kalam Allah), Imān and Creed, Refutation of Liberalism, Authority of Sunnah, Contemporary Ideological Deviations

ایمانیات کا بیان:

امام اعظم ابو حنیفہ نے الفقہ الاکبر کی ابتداہی ان بنیادی ایمانیات کی صحیح تعیین سے کی، جو قرآنِ کریم نے خود بیان فرمائی ہیں، تاکہ امت کا عقیدہ خالص رہے اور معاشرہ ہر اس باطل نظریے سے محفوظ ہو جائے جو بنیادی ایمان کو مسخ کر دے۔امام ابو حنیفہ لکھتے ہیں:

"أصلُ التوحيدِ وما يَصحُّ الاعتقادُ عليه أن يقول: آمنتُ باللهِ وملائكتِهِ وكتبِهِ ورسلِهِ والبعثِ بعدَ الموت"[1]

یہ عبارت دراصل اسی قرآنی آیت کی شرح ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی اساس یوں بیان فرمائی:

"آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ"[2]

امام اعظم نے اصولِ ایمان کی اسی قرآنی ترتیب کو بنیاد بنا کر یہ واضح کر دیا کہ ایک مسلمان کا صحیح عقیدہ وہی ہے جسے اللہ نے "ایمان" کے نام سے ذکر کیا ہے، نہ کہ وہ فہرست جو روافض نے اپنی کتابوں میں گھڑی، جن میں **"توحید، عدل، نبوت، امامت، معاد"** کو اصولِ دین قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ اس میں نہ "کتب" کا ذکر ہے اور نہ "ملائکہ" کا، جو قرآن کے صریح ارکانِ ایمان ہیں۔اس طرح امام ابو حنیفہ نے الفقہ الاکبر کی ابتداہی میں امت کی اصلاح کا دروازہ کھول دیا یعنی عقیدہ وہاں سے لیا جائے جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے بیان کیا ہے۔ چنانچہ معاشرے میں پائے جانے والے اُن باطل رجحانات کی اصلاح جو بنیادی ایمان سے ہی انحراف پر قائم ہیں امام اعظم کی اس نصیحت سے ممکن ہے کہ ایمان کے اصل ارکان یہی ہیں، اور ان سے ہٹ کر جو چیز اصولِ دین میں داخل کی جائے وہ گمراہی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے الفقہ الاکبر میں ایمان کی جو جامع اور مانع بنیاد قائم کی، وہ دراصل اس حقیقت کا اعلان ہے کہ اسلام کا اصل مزاج ایمان بالغیب ہے، اور یہی تصور لبرل ازم اور سیکولرازم کی جڑ کٹنے کا سبب بنتا ہے۔ لبرل ازم انسان کو خواہشِ نفس کا تابع بنا کر وحی سے آزاد کرنا چاہتا ہے، اور سیکولرازم دین کو زندگی کے مرکزی نظام سے باہر پھینک دیتا ہے جبکہ امام اعظم نے اپنی پہلی سطروں میں ہی واضح کر دیا کہ ایک مسلمان کا عقیدہ "عقلِ مجرد" یا "خواہشِ نفس" سے نہیں، بلکہ اللہ کی بتائی ہوئی خبر سے بنتا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

"آمنتُ بالله وملائكته وكتبه ورسله والبعث بعد الموت والقدر خيره وشره من الله تعالى والحساب والميزان والجنة والنار وذلک كلُّه حقٌّ"[3]

یہ وہ بنیادی ایمانیات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے "غیب" کا حصہ قرار دیا:

"الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ"[4]

(متقین وہ ہیں جو چھپی ہوئی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں)۔

اور فرمایا:

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ"[5]

(آپ کے رب کی قسم! یہ بالکل بھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے معاملات میں آپ کو اپنا حاکم نہ بنا لیں)۔

یہ آیات اس حقیقت کو قطعی بناتی ہیں کہ ایمان کا سرچشمہ اللہ کی خبر ہے، نہ کہ نفسِ انسانی۔ اسی لیے امام اعظم نے "وذٰلِکَ كُلُّهُ حَقٌّ" کہہ کر معاشرے کی اصلاح کا وہ اصول قائم کیا جس میں لبرل اور سیکولر ذہنیت کی جڑ کاٹ دی گئی یعنی یہ کہ انسان اس دنیا میں اپنی مرضی سے وجود میں نہیں آیا بلکہ ایک خالق نے اسے پیدا کیا:

"هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا"[6]

(یقیناً گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا)۔

اور انسان اسی کی زمین، اسی کے نظام، اسی کی عطا کی ہوئی روزی اور اسی کی قائم کردہ کائنات میں زندگی گزارتا ہے۔ پس واجب ہے کہ وہ اس خالق کی لائی ہوئی خبر کو مانے، چاہے وہ غیب سے متعلق ہو، تقدیر ہو، قیامت ہو، حساب و میزان ہو، جنت و دوزخ ہو، کیونکہ ایک بندہ جب اس کے دیے ہوئے رزق پر پلتا ہے، اس کے آسمان کے نیچے جیتا ہے، اور اس کی مخلوق میں سانس لیتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اسی رب کی دی ہوئی شریعت کو اپنا معیار بنائے، ایمان تب مکمل ہوتا ہے جب انسان اپنی خواہش کو وحی کے تابع کر دے جو کہ لبرل اور سیکولر فکر کی سراسر نفی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ"[7]

(تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات اس کے تابع نہ ہو جائیں جس (شریعت) کو میں لے کر آیا ہوں)۔

یوں امام اعظم نے فقہ الاکبر میں آغاز ہی سے یہ بتا دیا کہ مسلمان کی فکری سمت قرآن و سنت سے طے ہوتی ہے، نہ کہ مغربی نظریات سے اور ایمان بالغیب وہ مضبوط قلعہ ہے جو معاشرے کو سیکولر بے راہ روی، لبرل الحاد اور عقل پرستی کے فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

ہمسری کا بیان:

امام اعظم ابو حنیفہ نے الفقہ الاکبر میں توحید کے بیان کی ابتدا ہی اس اصلِ عظیم سے کی:

"لا يشبه شيئًا من الأشياء من خلقه ولا يشبهه شيء من خلقه"[8]

(اللہ اپنی کسی مخلوق کے مشابہ نہیں، اور نہ کوئی مخلوق اس کے مشابہ ہو سکتی ہے)۔

یہ جملہ دراصل قرآنِ عظیم کے اس بنیادی عقیدۂ توحید کی ترجمانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ"[9] (اس کے برابر، اس جیسا، اس کا ہمسر کوئی نہیں)۔

OPEN ACCESS

امام اعظم نے اس ایک اصول سے پورے معاشرے کی فکری اور اعتقادی اصلاح کی بنیاد رکھ دی کہ اللہ کا تصور نہ انسان کی عقل کا محتاج ہے، نہ اس کی خواہشات کا پابند، نہ وہ کسی مخلوق کی شکل، قدرت، صفات، ارادے یا کارکردگی کا محتاج ہے۔ یہ تعلیم اس لیے ضروری تھی کہ معاشرے میں اللہ کے بارے میں غلط تصورات، تشبیہ، تجسیم، حلول، اور انسان کے اوپر خدا جیسی صفات چڑھانے جیسے فتنوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ امام اعظم نے ایک ہی جملے میں امت کو وہ معیار دے دیا جس سے ہر باطل نظریہ باطل ہونے کے باوجود فوراً پہچانا جاسکتا ہے جو تصور اللہ کے بارے میں انسان کی مشابہت پیدا کرے، وہ اللہ کا تصور نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بار بار اعلان کیا:

"لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ [10]"

(اس جیسا کوئی نہیں)۔

"هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا [11]"

(کیا تم اس کے نام جیسا کسی کو جانتے ہو؟)۔

اس اصول سے امام اعظم نے معاشرے کو یہ بنیاد دی کہ اللہ کی قدرت مطلقہ، اس کی الوہیت، اس کی ربوبیت اور اس کی یکتائی کو ہر اس عقیدے سے پاک رکھا جائے جو انسانوں، پیشواؤں، لیڈروں، ائمہ کے بارے میں مبالغہ آرائی پیدا کرتا ہے۔ یہی غلطی یہود نے کی تھی کہ انسانوں کو ربّ کا درجہ دے بیٹھے، اور یہی خطا نصاریٰ نے کی کہ مسیح علیہ السلام کو الوہیت میں شریک ٹھہرا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی فساد سے بچاتے ہوئے فرمایا:

"لا تُطروني كما أطرت النصارى عيسى ابن مريم [12]"

(مجھے اس طرح نہ بڑھاؤ جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ کو بڑھایا)۔

چنانچہ امام اعظم کا یہ عقیدہ "لا یشبه شیئا" صرف فقہی یا نظری بحث نہیں بلکہ توحید کی عملی اصلاح ہے، جو لوگوں کو ہر قسم کی غلو آمیز تعظیم، انسان پرستی، شخصیت پرستی، اور بدعات سے محفوظ کرتی ہے۔ اس اصول نے واضح کر دیا کہ اللہ وہ ہے جس کا نہ کوئی ہمسر ہے، نہ شبیہ، نہ مثال اور مخلوق مخلوق ہے، خواہ کتنی ہی محترم کیوں نہ ہو وہ کبھی اللہ کے برابر نہیں ہو سکتی۔ یوں امام اعظم نے معاشرے میں خالص توحید کا وہ چراغ روشن کیا جو آج بھی ہر باطل تصور پر حجت قائم کرتا ہے اور ہر مسلمان کو یہ یاد دلاتا ہے کہ ربّ العالمین کی عظمت، قدرت اور الوہیت میں کوئی شریک، کوئی مثل، کوئی مددگار اور کوئی برابر کا وجود نہیں۔

متشابہ کا بیان:

الفقہ الاکبر میں امام اعظم ابو حنیفہ نے صفاتِ متشابہات (جیسے ید، وجہ، عین، استواء، مجیء، نزول، ضحک، اقدام وغیرہ) کے بارے میں جو اصولی نظریہ بیان کیا، وہ دراصل صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ، فقہاء متقدمین اور تمام سلف صالحین کے اجماعی منہج کی تجدید و ترجمانی ہے۔ ان متقدمین کا طریقہ یہ تھا کہ قرآن و حدیث میں اللہ کے لیے جو متشابہ صفات وارد ہوئی ہیں وہ اپنی جگہ حق ہیں، ان کا وجود ثابت ہے، مگر ان صفات کا ظاہری، مخلوق جیسا معنی مراد نہیں ہوتا۔ نہ اللہ ہاتھ رکھتا ہے، نہ پاؤں رکھتا ہے، نہ چلتا، نہ اترتا اور نہ ہنستا ہے۔ یہ ساری چیزیں مخلوق کے عوارض ہیں، خالق کے شایانِ شان نہیں۔ لہٰذا یہ صفات اللہ کے لیے ثابت تو ہیں لیکن کیفیت، ہیئت اور حقیقت اللہ کے سپرد ہے، جیسا کہ ائمہ کا اصول تھا: "أَمِرّوها كما جاءت بلا كيفٍ ولا تشبيه"۔

امام اعظم نے جب الفقہ الاکبر میں صراحت کی کہ "لا يشبه شيئًا من الاشياء من خلقه ولا يشبه شيء من خلقه" یعنی اللہ کی کوئی صفت مخلوق کی کسی صفت کے مشابہ نہیں تو انہوں نے دراصل متشابہات کے باب میں متقدمین کے پورے منہج کو ایک جملے میں جمع کر دیا۔ اس سے فوری طور پر وہ تمام غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں جو اللہ کے بارے میں جسمانی صفات کا گمان پیدا کرتی ہیں۔ اسی کی اصل قرآنِ کریم میں درج ہے:

"لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ [13]"

"وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ [14]"

اللہ کی کوئی مثال نہیں، کوئی ہمسر نہیں، اور کسی بھی مخلوق سے اس کی مشابہت سرے سے باطل ہے۔ البتہ جب بعد کے زمانوں میں اسلام کے مخالفین نے متشابہ صفات کو ہتھیار بنا کر مسلمانوں پر طعن شروع کیا کہ " تمہارا خدا ہاتھ، پاؤں، چہرہ، آنکھیں رکھتا ہے، وہ اترتا ہے، چلتا ہے، ہنستا ہے۔ یہ سب جسمانی اشیاء ہیں، لہٰذا تم ایک جسمانی خدا کو مانتے ہو اور جسم حادث ہوتا ہے" تو متاخرین علماء نے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے شبہات ختم کرنے کے لیے مناسب تاویلات پیش کیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ:

"ید" سے مراد قدرت یا نعمت ہے، "عین" سے مراد حفاظت و نگرانی ہے، "نزول" سے مراد اللہ کی رحمت کا خاص توجہ فرمانا ہے، "قدم کے نیچے رکھنا" سے مراد کسی شے کو ذلیل و مغلوب کرنا ہے، "اترنے" سے مراد قبولیتِ دعا اور رحمت کا نزول ہے۔

ان تاویلات کا مقصد یہ تھا کہ عام لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں اور دشمنانِ اسلام کی معاندانہ اعتراضات سے بچ جائیں، اسی حقیقت کو شرح عقائد نسفی میں یوں بیان کیا گیا:

"دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کہ اللہ جسم سے پاک ہے، لہٰذا متقدمین کا طریقہ یہی رہا کہ نصوص کا علم اللہ کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ اس میں سلامتی ہے۔ اور متاخرین نے عوام کے شبہات دور کرنے کے لیے صحیح تاویلات کو اختیار کیا [15]"۔

OPEN ACCESS

صفات باری تعالی کا بیان:

اسلام نے توحید کا جو جامع نقشہ دیا ہے، اس کا مرکزی اصول یہی ہے کہ اللہ تعالی اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے، اور کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔ قرآن نے قطعی اعلان کیا:

"لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ البَصِيرُ [16]"

(اس جیسا کوئی نہیں وہی سننے اور دیکھنے والا ہے)۔

یہی توازن الفقہ الاکبر نے بیان کیا کہ اللہ کی صفات کو نہ مخلوق پر قیاس کیا جائے اور نہ ان کا انکار کیا جائے۔ اس اصول کی عملی شکل یہ ہے کہ مسلمان ہر صفت کو اسی طرح مانے جیسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بیان کیا، بغیر تشبیہ، بغیر کیفیت، اور بغیر تاویلِ باطل کے، اور اس کی حقیقت اللہ کے سپرد کر دے یہی صالحین کا راستہ تھا۔ مثلا اللہ کی صفات کے بارے میں یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ تمام صفات مستقل ہیں کوئی بھی کسی کے تحت داخل نہیں اور نہ ہی کوئی بھی حادث ہے جو کسی بھی صفت کو دلیل کے شبہے کے بغیر حادث کہے وہ کافر ہے، اور جو دلیل کے شبہے کے ساتھ کہے وہ گمراہ ہے۔

انہیں صفات میں سے ایک صفت "کلام" ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ حقیقتا متکلم ہے لیکن اس کا کلام اصوات و حروف سے پاک ہے وہ صرف تجلی فرماتا ہے اور اسی میں اس کا کلام مضمر ہوتا ہے۔

اسی طرح علم اس کی وہ صفت ہے جو ازلی ہے جس سے وہ سب جانتا ہے جو کچھ بھی ہو گا، اس کے علم میں کمی نہیں وہ ہر چیز جانتا تھا جو کہ علم الہی کہلائی اور اس نے پھر وہ سب کچھ لکھ دیا جو کہ حکم الہی کہلایا ان دونوں کے مجموعے کو "تقدیر الہی" کہا جاتا ہے۔

اسی طرح وہ قادر ہے اور قدرت اس کی ازلی صفت ہے لیکن اس کا یہ معنی ہر گز نہیں کہ وہ افعال قبیحہ پر بھی قادر ہو کیونکہ افعال قبیحہ اس کی قدرت کے تحت داخل ہی نہیں ہیں۔

اس توازن سے ہٹنا اکثر تین وجوہ سے ہوتا ہے:

(1) شرکِ خفی (2) غلو (3) من گھڑت تاویلات

ان تینوں کی اصلاح کے لیے قرآن وسنت نے بہت سخت وعیدیں بیان کی ہیں۔

شرک خفی:

شرک کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ کہ جس میں بندہ اعتقاداً غیر اللہ کو خدا مانتا ہے اس کو شرک جلی یا شرک اکبر کہا جاتا ہے جو موت سے پہلے معافی مانگ لینے پر تو معاف کر دیا جاتا ہے مگر معافی کے بغیر موت آئے تو معاف نہیں یا جاتا۔ دوسرا وہ شرک جو بندے کے عمل میں شریک باری تعالی کے لحاظ سے ہو اس کا حکم کفر کا تو نہیں ہے البتہ اس کو کرنے والے کو سخت سزا دی جائے گی بلکہ ایک حدیث میں توریاکار قاری، شہید اور سخی کے لیے یہاں تک آیا کہ جہنم کی آگ کو ان لوگوں سے ہی بھڑ کا یا جائے گا [17]۔

اللہ اور اس کے رسول کو بالکل بھی شرک پسند نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ ایمان اور نفع دینے کو پسند کرتا ہے اور شرک اور نقصان دینے کو ناپسند کرتا ہے [18] حتی کہ ایک حدیث میں یہ بھی آیا کہ یہ بھی شرک ہے کہ بندہ قربانی کے تین حصے اس طرح کرے کہ یہ حصہ اللہ کے لیے اور یہ رشتے داروں کے لیے، کیونکہ جو حصہ تم نے اللہ کے علاوہ کے لیے خاص کر لیا اس میں اللہ شامل نہیں ہے [19]۔ لیکن اکثر لوگوں نے اس کے خلاف کیا یعنی اللہ کے علاوہ مقصد کو ذہن میں رکھ کر عبادت کرتے ہیں جس سے ان کی وہ نیکی اور وقت اور اٹھائی گئی مشقت سب ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ نے شرک کے متعلق فرمایا:

"أخوفُ ما أخافُ عليكم الشركُ الأصغرُ... الرِّياء [20]"

(مجھے تم پر سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے وہ شرک اصغر یعنی "ریا" ہے)۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

" إنَّ اللهَ لا يَنظُرُ إلى صُوَرِكم ولا إلى أجسادِكم ولكن ينظرُ إلى قلوبِكم وأعمالِكم [21]"

(اللہ تمہاری شکلوں اور جسموں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے)۔

یعنی دل کا اخلاص توحید کا مرکز ہے، اور دکھاوے کا معمولی اثر بھی عقیدہ اور عمل بگاڑ سکتا ہے۔

غلو:

اللہ عزوجل اپنے بندوں پر بہت آسانی کرتا ہے اور اس کو وہی محبوب ہیں جو اس کے بندوں کے لیے حدود شرعیہ میں رہتے ہوئے آسانیاں پیدا کریں اسی لیے کریم آقا ﷺ نے حضرت معاذ کو فرمایا تھا کہ آسانی پیدا کرنا مشکل میں لوگوں کو مت ڈالنا، یعنی اللہ کو آسانی پسند ہے اسی لیے حضور ﷺ بھی دو مشکل کاموں میں سے کم مشکل کام کو اپناتے تھے تاکہ امت کے لیے مشقت نہ ہو۔ مگر امت کے بعض لوگوں نے اس دین کے احکامات کو بہت مشکل بنا دیا کیونکہ انہوں نے اس میں غلو سے کام لیا جب بھی بندہ اللہ کے حکم سے منہ موڑتا ہے تو یقینا اس کے لیے مشکلات ہی پیدا ہوتی ہیں جبکہ اللہ اپنے بندوں کی آسانی کے لیے ہمیشہ ایسی علماء کی جماعت کو رکھتا ہے جو ان کے لیے آسانی کے معاملات کو واضح کرتے رہتے ہیں۔

آج بھی چند حکمران دینی سزاؤں کے علاوہ سزا دے کر سمجھتے ہیں کہ وہ ایسے جرم کو روک لیں گے حالانکہ جو سزا اللہ نے رکھی ہے اور جتنی رکھی ہے وہی بہترین ہے، چوری کی سزا اگر اللہ نے ہاتھ کاٹنا رکھی ہے تو یہی بہتر ہے نہ کہ بیس سال کی قید جس سے معاشرے میں بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح کچھ لوگ اپنا تقوی دوسرے لوگوں پر تھوپنا چاہتے ہیں جس سے معاشرے کے ساتھ ساتھ معاملات دینیہ میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور لوگ دین کو بہت مشکل سمجھ کر عمل سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ اس سب کی تردید میں ہی اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اس سے صاف منع فرمایا:

"لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ"[22]

(اپنے دین میں غلو مت کرو)۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إيّاكم والغلوّ فإنّما أهلك مَن كان قبلكم الغلو"[23]

(غلو سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگ اسی غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئے)۔

یعنی محبت، تعظیم یا دینی جذبات اگر حدود سے بڑھ جائیں تو وہ توحید کے میدان میں خطرہ بن جاتے ہیں، جیسا کہ نصاری نے حضرت عیسی علیہ السلام اور روافض نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختیار کی۔

باطل تاویلات:

اللہ عزوجل نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، جس سے مراد اس کے ظاہر کی حفاظت ہے رہا مسئلہ اس کے مفہوم کا تو اس میں اللہ نے انسانوں کو چھوٹ دی ہے جس وجہ سے بہت سے لوگوں نے قرآن مجید کی آیات سے اپنے باطل عقیدہ کے متعلق دلائل پیش کیے ہیں یہ اصل میں مفہوم قرآن کو بدلنے کی ناپاک کوشش ہے، یہ کام ہی لوگ کرتے ہیں کہ جن کے دلوں میں فتور ہوتا ہے اور وہ دین کو پڑھ کر مسائل نہیں بناتے بلکہ مسائل بنا کر دین کو اس کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں، وہ دین کے صرف ان احکامات کو مانتے ہیں جو ان کی طبیعت کو اچھے لگتے ہیں اور جو طبیعت پر ناگوار گزرتے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں جیسے سور کے گوشت کو اس لیے نہیں کھاتے کہ ان کی طبیعت اس سے کراہت محسوس کرتی ہے نہ کہ اس کے حرام ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ اگر حرام ہونے کی وجہ سے چھوڑتے تو صرف سور کا گوشت ہی نہ چھوڑتے بلکہ حرام کی کمائی اور باطل تاویلات سے کمائی ہوئی دولت سے بھی کراہت محسوس کرتے۔ بہر حال قرآن مجید نے ان کے دلوں کی حالت بیان کر کے بتا دیا کہ ان کے دل ہی ٹیڑھے ہیں یعنی باطل تاویلات کی جڑ بھی قرآن نے بیان کر دی:

"فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ التَّأْوِيلِ"[24]

(جن کے دلوں میں ٹیڑھ پن ہوتا ہے وہ نصوص کو اپنی خواہش کے مطابق موڑنے لگتے ہیں)۔

الفقہ الاکبر کی عملی تطبیق یہی ہے کہ نصوصِ صفات میں نہ گھمبیر تاویلیں گھڑی جائیں، نہ صفات کو ظاہری جسمانی معنوں میں مخلوق پر قیاس کیا جائے، بلکہ لفظ کو متشابہ مان کر ایمان لایا جائے اور جہاں ضرورت ہو وہاں تاویل صحیحہ کی جائے، مگر اس سب کے باوجود اس لفظ کے معنی کی کیفیت اللہ کے سپرد کی جائے۔ یہی طریقہ امت کے اجماعی تسلسل کا حصہ ہے۔ ان انحرافات کی اصلاح وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے دلوں کو جگانے کے لیے بار بار سکھائی توکل، آخرت کا خوف، نیت کی اصلاح، کثرتِ ذکر، مسلسل استغفار، موت کی یاد، اور عبادات کا سنت کے مطابق ہونا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"أكثِروا ذِكرَ هاذمِ اللذات يَعني الموت"[25]

(لذات کو ختم کرنے والی چیز یعنی موت کو یاد رکھو)۔

اس سے دل نرم ہوتا ہے، تکبر ٹوٹ جاتا ہے، اور بندہ عبادت میں اخلاص کی طرف لوٹ آتا ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا:

"الكَيِّسُ مَن دانَ نَفْسَه وعَمِلَ لِما بَعدَ الموت"[26]

(عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے)۔

اسی طرح فرمایا:

"طوبى لِمَن شغَله عيبُه عن عيوبِ الناس"[27]

(خوش نصیب وہ ہے جسے اپنے عیبوں نے دوسروں کے عیب دیکھنے سے روک دیا)۔

یہ احادیث بندے کو اس طرف لے جاتی ہیں جہاں نیت اور عمل پوری طرح اللہ کے لیے خالص ہو جاتے ہیں اور انسان ہر قسم کی ریا، غلو، نہج باطل، اور خود ساختہ تعبیرات سے دور رہتا ہے۔ قرآن نے اس راستے کا حتمی اصول یوں بیان کیا:

"فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا"[28]

(بندہ عمل بھی کرے، وہ نیک بھی ہو، اور نیت بھی صرف اللہ کے لیے رہے)۔

یہی وہ اصل ہے جس پر الفقہ الاکبر کا پورا بابِ توحید قائم ہے کہ صفات کو ویسے ماننا جیسے نصوص میں ہیں، یعنی متشابہ کو محکم کے تحت لا کر سمجھنا۔ عبادات کو سنت کے مطابق ادا کرنا، اور دل کو ہر قسم کی ریا، غلو اور باطل تاویلات سے پاک رکھنا۔ یوں الفقہ الاکبر کے متوازن اصول ایک ایسا بہترین عملی راستہ پیش کرتے ہیں جہاں مسلمان کو توحید کے خالص اور صاف توازن کی طرف واپس لایا جاتا ہے، اور غلط سمتوں میں جانے سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

صفتِ کلام کا بیان:

امام اعظم ابو حنیفہ نے الفقہ الاکبر میں عقیدۂ کلامِ الٰہی کو جس جامع اور مانع انداز میں بیان کیا ہے وہ دراصل ہر دور کے فتنوں خصوصاً آج کے پاکستانی معاشرے میں پھیلنے والے لبرل ازم، سیکولرازم، انکارِ حدیث اور قرآن کی خود ساختہ تعبیرات کے تمام فکری انحرافات کی اصلاح کا بنیادی ذریعہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مصاحف میں لکھا ہوا ہے، سینوں میں محفوظ ہے، زبانوں پر پڑھا جاتا ہے، مگر حقیقت کے اعتبار سے یہ اللہ کا غیر مخلوق اور قدیم کلام ہے، جبکہ انسان کا تلفظ، کتابت اور قراءت مخلوق ہیں۔ یعنی ہمارا کلام پاک کو آواز سے پڑھنا حادث ہے مگر جو ہم نے پڑھا وہ قدیم ہے۔ ہمارا اس کو لکھنا حادث ہے مگر جو ہم نے لکھا وہ قدیم ہے۔ اسی طرح ہمارا اس کو سننا حادث ہے اور جو ہم نے سنا وہ قدیم ہے۔[29]

اس بیان سے امام اعظم نے واضح کر دیا کہ قرآن کسی انسان کا بنایا ہوا تاریخی متن نہیں بلکہ ربّ العالمین کا کلام ہے جس کے سامنے کسی انسانی عقل، فلسفے، تہذیب یا سیاسی نظام کو اختیار یا ترجیح دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ"[30]

(بے شک یہ قرآن تمام عالمین کو پالنے والے کی ہی طرف سے نازل ہوا ہے)۔

اور رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"فضل كلام الله على سائر الكلام كفضل الله على خلقه"[31]

(اللہ کے کلام کو باقی تمام کلاموں پر ایسے ہی برتری حاصل ہے جس طرح اللہ کو اپنی مخلوق پر برتری حاصل ہے)۔

گویا قرآن کی سچائی کا اقرار معاشرے کو اس غلط رُجحان سے بچاتا ہے جس میں دین کو انسانی پسند و ناپسند اور بدلتے زمانے کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ امام اعظم نے انبیاء، ابلیس اور فرعون کے واقعات کے بارے میں یہ اصول بیان کیا کہ یہ سب دراصل کلام الٰہی ہے جن کی خبریں اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب سے دی ہیں۔

اس سے اُن جدید نظریات کی جڑ کاٹ دی جو قرآن کو "سماجی مکالمہ" قرار دیتے ہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے اللہ سے ہمکلام ہونے کے ذکر میں امام نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام بھی باقی صفات کی طرح ازلی ہے، حادث نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ سنا وہ اسی ازلی کلام کی تجلی تھی، جیسا کہ قرآن نے فرمایا:

"وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا"[32]

(اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا)۔

اور جیسے اللہ تعالیٰ ازل سے خالق ہے، ویسے ہی ازل سے متکلم بھی ہے۔ یہ اصول اُن افکار کی اصلاح کرتا ہے جو اللہ کی صفات کے انکار میں مبتلا ہیں۔ امام اعظم کی یہ پوری تعلیم اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے تو اس کے احکام مطلق، غیر متبدل اور واجب الاتباع ہیں، اور ایمان بالغیب کے بغیر کوئی شخص اس کلام سے ہدایت نہیں پا سکتا، جیسا کہ ارشاد ہے:

"ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ، هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ"[33]

(یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے وہ جو ایمان رکھتے ہیں چھپی ہوئی باتوں پر)۔

لہٰذا امام اعظم کے یہ اصول پاکستانی معاشرے کے فکری انتشار کا بہترین علاج ہیں، کیونکہ جب قرآن کو اللہ کا قدیم اور غیر مخلوق کلام مان لیا جائے، اس کی تعبیر کو نبی ﷺ اور مفسرین کے طریقے سے وابستہ رکھا جائے، اور اللہ کی صفات کو نہ تشبیہ کے ساتھ سمجھا جائے نہ تعطیل کے ساتھ، تب ہی عقیدہ درست ہوتا ہے اور عقیدہ درست ہو جائے تو معاشرہ خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہے۔

تقدیر کا بیان:

امام اعظم ابو حنیفہ نے الفقہ الاکبر میں قضا و قدر، علمِ الٰہی اور مشیتِ الٰہی کے جن اصولوں کو بیان کیا ہے، وہ دراصل پاکستانی معاشرے میں پھیلے ہوئے تقدیر کے غلط خیالات، لبرل و سیکولر تشریحات، اور خود ساختہ عقلی اعتراضات کی بہترین اصلاح کرتے ہیں۔ آپ نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمام اشیاء کو عدم سے وجود عطا کیا، اور ان کے وجود میں آنے سے پہلے بھی اللہ ان کے بارے میں کامل علم رکھتا تھا۔ اسی نے ان کے لیے تقدیر مقرر کی، لوحِ محفوظ میں ان کے احوال لکھے، اور اسی علم، مشیت اور قضا کے مطابق دنیا میں ہر چیز وقوع پذیر ہوتی ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی کے علم اور اسی کی چاہت سے ہوتا ہے، اور جو نہیں ہوتا وہ بھی اسی کے نہ چاہنے سے نہیں ہوتا۔ امام اعظم مزید فرماتے ہیں کہ لوحِ محفوظ میں اللہ کی تحریر وصف کے اعتبار سے ہے، حکم کے اعتبار سے نہیں، یعنی اس تحریر سے دنیا مجبوریت کا میدان نہیں بنتی بلکہ یہ اللہ کے علم کی ازلی صفت کی ترجمانی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا"[34]

(اس نے سب کچھ پیدا کیا پھر اس کو اندازے کے مطابق بالکل ٹھیک کیا)۔

اور رسول اللہ ﷺ نے تقدیر کے بارے میں فرمایا:

"أول ما خلق الله القلم فقال اكتب... فجرى بما هو كائن إلى يوم القيامة"[35]

(اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھ، اس نے کہا کیا لکھوں تو فرمایا کہ سب کچھ حتی کہ جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا اس نے لکھی دیا)۔

OPEN ACCESS

امام اعظم تقدیر کی اصل حقیقت یوں بیان کرتے ہیں کہ اللہ معدوم چیز کو بھی جانتا ہے، اس کے وجود میں آنے سے پہلے اس کے بارے میں پوری تفصیل جانتا ہے، اس کے ہونے کے بعد اس کا حال جانتا ہے، اور اس کے فنا ہونے کے بعد اس کا انجام بھی جانتا ہے۔ اس کے علم میں کسی لمحے نہ زیادتی ہوتی ہے نہ کمی، نہ تغیر آتا ہے نہ نیا علم حاصل ہوتا ہے اور یہ تمام صفات اللہ کی ازلی صفات ہیں جو مخلوق کی طرح تغیر و تبدل سے پاک ہیں۔ اس پوری تعلیم سے امام اعظم نے معاشرے کی جس عظیم اصلاح کی بنیاد رکھی وہ یہ ہے کہ تقدیر کو جبر بنا کر پیش نہ کیا جائے، جیسا اکثر لوگوں میں ہوتا ہے کہ انسان اپنی غلطیوں کی ذمہ داری اللہ پر ڈال دے اور نہ اسے انکارِ تقدیر کے الحادی راستے میں دھکیل دیا جائے، جیسا کہ جدید لبرل فکر کرتی ہے کہ ہر چیز کو انسانی آزادی اور اختیار کی مطلقیت میں رکھ کر اللہ کی مشیت کے مقام کو گم کر دیتی ہے۔ امام اعظم کے اس متوازن نظریے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی مشیت کامل ہے مگر انسان کا اختیار بھی حقیقت ہے، اور اسی توازن سے اخلاقی ذمہ داری، دین داری، محنت، جوابدہی اور تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا امام اعظم کے پیش کردہ یہ اصول پاکستانی معاشرے کے لیے ایک مضبوط اصلاحی بنیاد فراہم کرتے ہیں کہ نہ انسان تقدیر کے نام پر گمراہ ہو، نہ عقل کے گھمنڈ میں اللہ کی مشیت کا منکر بنے بلکہ یہ سمجھے کہ اللہ کا علم کامل ہے، اس کی قدرت ازلی ہے، مگر اسی نے انسان کو ذمہ داری بھی دی ہے، اور انہی دونوں کے اعتراف سے ایمان مکمل ہوتا ہے اور معاشرہ درست سمت میں کھڑا ہوتا ہے۔

عقیدہ رسالت کا بیان:

اسلام میں رسالت ایمان کا مرکزی ستون ہے، کیونکہ اللہ تک رسائی اور ہدایت کا مکمل راستہ صرف محمد مصطفی ﷺ کے ذریعے کھلتا ہے۔ لیکن معاشرے میں متعدد فکری رجحانات پیدا ہو رہے ہیں جن سے عقیدۂ رسالت میں بگاڑ بڑھ رہا ہے جیسے نبی کریم ﷺ کی شخصیت پر گستاخانہ رویے، نبوت کو محض ایک اخلاقی رہنمائی تک محدود کر دینا (جیسا کہ کر سچن کرتے ہیں)، سنت سے بے عملی، اور ختمِ نبوت کے بارے میں شکوک پیدا کرنا۔ یہ رجحانات دراصل اُن فکری اسباب کا نتیجہ ہیں جو دوسری فصل میں بیان کیے گئے یعنی لبرل ازم، سیکولر تعلیم کا اثر، عقلیت پسندی کا غلو، مستشرقین کی گمراہ کن تعبیرات، اور جدید میڈیا کے بیانات۔ ان عوامل نے نبی کریم ﷺ کی عظمت، اطاعت اور ختمِ نبوت کے تصور کو نوجوانوں کے ذہن میں دھندلا کرنے کی کوشش کی۔ یہ بگاڑ اسی وقت درست ہوتا ہے جب رسالت کے بارے میں وہ توازن اپنایا جائے جو قرآن و سنت کی روشنی میں امام ابو حنیفہ نے الفقہ الاکبر نے دیا، نبی ﷺ بشر بھی ہیں اور افضل البشر بھی، قرآن نے آپ ﷺ کے بشری پہلو کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ بشر تو ہیں، مگر وحی کے ذریعے ممتاز کیے گئے، یہی افضل البشریت ہے:

"قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ [36] "

(فرما دیجیے بے شک میں تمہاری طرح بشر ہوں جسے وحی کی جاتی ہے)۔

اور آپ کے مقام کو بلند فرماتے ہوئے ارشاد ہوا:

"وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ"[37]

(آپ ﷺ کا ذکر آپ کے لیے اللہ نے بلند کیا)۔

یہی دونوں آیات رسول اللہ ﷺ کے مقام کا وہ توازن قائم کرتی ہیں جو افراط و تفریط دونوں کا راستہ بند کرتی ہیں۔

عزت رسول ﷺ:

نبی کریم ﷺ کی عظمت اور آپ کے احترام کا دینی معیار وہ ہے جسے قرآن نے قطعی بیان کر دیا کہ رسول کی تعظیم اور توقیر ایمان کا حصہ ہے:

"لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ"[38]

(تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس رسول کی عزت اور اس کی توقیر کرو)۔

اور فرمایا:

"فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ[39] "

(جو لوگ نبی ﷺ کے حکم سے روگردانی کریں، وہ اس بات سے ڈریں کہ ان کو کوئی مصیبت پہنچے)۔

نبی ﷺ نے اپنی حرمت کے متعلق فرمایا:

"اذى الله مَن آذاني"[40]

(جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی)۔

یہ احادیث شان مصطفوی کو واضح کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔

اطاعت رسول ﷺ:

رسالت کے معاملے میں ایک دوسرا بگاڑ یہ بھی ہے کہ کچھ لوگ نبوت کو صرف اخلاقی رہنمائی کا درجہ دیتے ہیں، حالانکہ قرآن نے رسول کی اطاعت کو ایمان کی شرط قرار دیا:

"مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ"[41]

(جو رسول کی اطاعت کرتا ہے تو یقیناً وہ اللہ ہی کی اطاعت کرتا ہے)۔

OPEN ACCESS

اور رسول ﷺ کی ہر ہدایت دین کا معیار ہے، فرمایا:

"وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ"[42]

(رسول خدا تمھیں جو بھی حکم دیں اس کو مضبوطی سے تھام لو)۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

"كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى... مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى"[43]

(میرا ہر امتی جنت میں جائے گا سوائے اس کے جس نے انکار کیا، جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی اس نے جنت جانے سے انکار کر دیا)۔

سنت کی بے عملی سے بچنے کے لیے یہ کافی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت جنت کا راستہ ہے، اور نافرمانی جنت جانے سے انکار ہے۔

مسئلہِ ختم نبوت:

ختم نبوت کے بارے میں قرآن نے فیصلہ کن آیت نازل کی:

"وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ"[44]

(لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں)۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا نبي بعدي"[45]

(میرے بعد کوئی نبی نہیں)۔

امت کا ہمیشہ سے اس پر اجماع رہا ہے کہ ختم نبوت کا انکار دراصل پورے دین کے دروازے کو غیر محفوظ کر دیتا ہے، اسی لیے الفقہ الاکبر میں اس کی حفاظت ایمان کے بنیادی ارکان میں شمار ہوئی۔

معاشرتی اصلاح کا اصل راستہ یہ ہے کہ سیرتِ نبوی کو محض تقریبات تک محدود نہ رکھا جائے، بلکہ عملی تربیت کا حصہ بنایا جائے؛ جیسے سچ بولنے کی تربیت، امانت داری، صبر، معافی، عدل، گھر والوں کے ساتھ حسنِ معاشرت، عبادت کا ذوق، نوجوانوں کے اندر ذمہ داری کا احساس، اور لوگوں کے ساتھ خیر خواہی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"إنما بُعثتُ لأتمم مكارم الأخلاق"[46]

(میں بہترین اخلاق پوری کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں)۔

اسی طرح فرمایا:

"المرءُ مع مَن أحب"[47]

(انسان قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے)۔

یہ حدیث نوجوانوں میں نبی ﷺ کی محبت کو عمل کی شکل دینے کا سب سے مؤثر ذریعہ بنتی ہے۔ اس لیے نوجوانوں کے لیے ایسا تربیتی نصاب ناگزیر ہے جس میں نبی ﷺ کی محبت، ادب، سیرت اور اطاعت کو مضبوط دلائل، تاریخی واقعات اور عملی مثالوں کے ساتھ شامل کیا جائے، تاکہ رسالت ایک زندہ حقیقت کے طور پر ذہنوں میں راسخ ہو جائے۔ یہی بیانیہ گستاخی کے خلاف سب سے مضبوط جواب بنتا ہے، اور یہی ختم نبوت کے تصور کو دلوں میں غیر متزلزل بنیاد فراہم کرتا ہے۔

یوں عقیدۂ رسالت کی اصلاح کا مکمل راستہ یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مقام کو ویسے سمجھا جائے جیسے الفقہ الاکبر، قرآن، حدیث اور امت کے اجماع نے بیان کیا۔ آپ ﷺ بشر بھی ہیں، افضل البشر بھی، اللہ کے آخری نبی بھی ہیں، اور اطاعت کے واحد معیار بھی۔ جب معاشرہ اس توازن کو مضبوط کرے گا تو افراط و تفریط ختم ہوگی، گستاخی کے رجحانات کمزور ہوں گے، سنت زندہ ہوگی، اور نوجوانوں کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی محبت ایمان کے بنیادی ستون کی طرح جم جائے گی۔

خلاصۃ البحث

اس تحقیق سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کی تصنیف الفقہ الاکبر محض ایک عقیدتی رسالہ نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کی فکری، اعتقادی اور معاشرتی اصلاح کا ایک ہمہ گیر اور ہم عصر منشور ہے۔ امام اعظم نے عقائد کی بنیاد قرآنِ کریم کی بیان کردہ ایمانی ترتیب پر رکھ کر یہ اصول طے کر دیا کہ ایمان کا ماخذ صرف وحیِ الٰہی ہے، نہ کہ انسانی عقل، فلسفہ یا خود ساختہ مذہبی فہرستیں۔ اسی بنیاد پر انہوں نے ایمان بالغیب کو اسلام کے مزاج اور روح کے طور پر پیش کیا، جو لبرل ازم، سیکولرازم اور عقل پرستی کے فتنوں کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، خصوصاً صفاتِ متشابہات کے باب میں امام اعظم کا منہج تشبیہ، تجسیم اور تعطیل کے درمیان کامل توازن قائم کرتا ہے، جو سلف صالحین کے اجماعی طریقے کی ترجمانی ہے۔ اسی طرح عقیدۂ کلامِ الٰہی میں قرآن کے قدیم اور غیر مخلوق ہونے کا واضح بیان، جدید دور میں قرآن کو تاریخی یا سماجی متن بنانے کی کوششوں کا مؤثر رد ہے۔ قضا و قدر، علمِ الٰہی اور مشیت کے حوالے سے امام اعظم کا متوازن نظریہ نہ جبر کو جنم دیتا ہے اور نہ الحادی آزادی کو، بلکہ انسانی اختیار اور الٰہی مشیت کے درمیان وہ اعتدال قائم کرتا ہے جس سے اخلاقی ذمہ داری، محنت اور تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ اسی توازن کا اطلاق عقیدۂ رسالت میں بھی نظر آتا ہے، جہاں نبی کریم ﷺ کو بشر بھی اور افضل البشر بھی مانا گیا ہے۔ یوں الفقہ الاکبر آج کے پاکستانی معاشرے میں پائے جانے والے فکری انحرافات کی اصلاح کے لیے ایک مضبوط، مستند اور قابلِ اعتماد بنیاد فراہم کرتا ہے۔

OPEN ACCESS

نتائج بحث

1. الفقہ الاکبر یہ واضح کرتی ہے کہ عقیدہ صرف قرآن وسنت سے لیا جائے گا، نہ کہ انسانی خواہش، فلسفہ یا خود ساختہ مذہبی تصورات سے۔
2. ایمان بالغیب کو مرکزی حیثیت دے کر امام اعظم نے لبرل، سیکولر اور عقل پرستانہ فکر کی فکری بنیاد کو رد کر دیا۔
3. اللہ کی ذات وصفات کے باب میں "بلا کیف ولا تشبیہ" کا اصول **تشبیہ، تجسیم اور تعطیل** تینوں گمراہیوں سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔
4. قرآن کے غیر مخلوق اور قدیم ہونے کا عقیدہ، انکارِ حدیث اور قرآن کی نسبتی وتاریخی تعبیرات کا مؤثر رد ہے۔
5. تقدیر کے بارے میں امام اعظم کا معتدل نظریہ جبر اور مطلق انسانی آزادی دونوں کی نفی کرتا ہے، اور ذمہ دارانہ دینی زندگی کی بنیاد رکھتا ہے۔
6. عقیدۂ رسالت میں نبی کریم ﷺ کی بشریت اور افضلیت کا توازن، گستاخی، سنت سے بے عملی اور ختمِ نبوت پر شبہات کا عملی علاج ہے۔

مجموعی طور پر الفقہ الاکبر پاکستانی معاشرے میں فکری استحکام، اعتقادی صحت اور دینی شناخت کے تحفظ کے لیے ایک مضبوط اصلاحی دستاویز ہے۔

حوالہ جات

---

[1] شرح الفقہ الاکبر، صفحہ 1 مکتبۃ المدینہ
[2] البقرہ، 2: 285
[3] شرح الفقہ الاکبر، صفحہ 1
[4] البقرہ، 2: 3
[5] النساء، 4: 65
[6] الانسان 76: 1
[7] مشکوٰۃ المصابیح، حدیث نمبر: 167
[8] شرح الفقہ الاکبر، صفحہ 8
[9] الاخلاص 112 :4
[10] الشوریٰ 42: 11
[11] مریم، 19: 65
[12] بخاری، 3445
[13] الشوریٰ 42 : 11
[14] الاخلاص 112 : 4
[15] شرح عقائد نسفی، ص 34
[16] الشوریٰ، 42 : 11
[17] سلسلہ احادیث صحیحہ، حدیث نمبر: 147
[18] ابن حجر (متوفی 853ھ)، المنبہات، صفحہ 30، ضیاء الاسلام پبلشر
[19] منذری، ابو محمد زکی الدین عبد العظیم (متوفی 565ھ) الترغیب والترہیب (مترجم) جلد 1 صفحہ 31 کتاب الایمان، حدیث نمبر: 08 اکبر بک سیلز، لاہور
[20] مسند امام احمد، حدیث نمبر: 23630
[21] صحیح مسلم، حدیث نمبر: 2564
[22] النساء 4: 171
[23] سنن نسائی، حدیث نمبر: 3057
[24] آل عمران 3: 7
[25] جامع ترمذی، حدیث نمبر: 2307، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: 4258
[26] جامع ترمذی، حدیث نمبر: 2459
[27] بزار، حافظ ابو بکر احمد بن عمرو (متوفی 292ھ) البحر الزخائر فی زوائد مسند البزار، حدیث نمبر: 6237، دار الکتب العلمیہ بیروت

OPEN ACCESS

[28] الکہف،18 : 110

[29] علامہ ظفر القادری،الا ظفر شرح الفقہ الا کبر،صفحہ 40عبداللہ اکیڈمی،لاہور

[30] الشعراء26 : 192

[31] ترمذی،حدیث نمبر: 2926

[32] النساء،4: 164

[33] البقرۃ،2: 2-3

[34] الفرقان25 : 2

[35] ترمذی ،حدیث نمبر:2155

[36] الکہف18 : 110

[37] انشراح94 : 4

[38] الفتح48 : 9

[39] النور24 : 63

[40] مسند أحمد،حدیث نمبر: 17302

[41] النساء،4: 80

[42] الحشر59 : 7

[43] بخاری،حدیث نمبر: 7280

[44] الاحزاب33 : 40

[45] بخاری 3455،مسلم1842

[46] حاکم،ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری(متوفی405ھ)المستدرک للحاکم،حدیث نمبر: 4221دارالکتب العلمیہ

[47] بخاری،حدیث نمبر: 6170